

# انسان اور خارجی کائنات

(پروفیز صاحب کی ایک تقریر)

افراد ہوں یا اقوام (اقوام بالخصوص) ان کی موت و حیات کے فیصلے کے لئے ایک اہم عنصر یہ بھی ہے کہ خارجی کائنات کے متعلق ان کا زاویہ نگاہ یا رد عمل کیا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس نے انسان کو ہمیشہ وقفہ اضطرار دکھا ہے۔ قرآن کریم نے اسے بڑی اہمیت دی ہے اور اس کا صحیح جواب، نہایت واضح اور بین الفطامین پیش کیا ہے۔

جب انسانی شعور نے پہلے پہل آنکھ کھولی تو اس نے اپنے آپ کو عجیب دنیا میں پایا۔ سر پر مسلسل آتش باری کرنے والا عظیم اور مہیب گولا۔ چاروں طرف بڑے بڑے پہاڑ۔ ادھر ادھر ساحل نا آستانہ سمندر اس کی خوفناک تلاطم انگیزیاں۔ یہاں و ہاں کھربوں اور سیلاب در آغوش دریاؤں کی ہلاکت سامانیاں۔ حیلوں تک ڈراؤنے جنگل اور ان میں بڑے بڑے خطرناک درندے اور اڑدے۔ کبھی بادل کی لہر انگیز گرج۔ کبھی بجلی کی جگمگ پاش کوڑک۔ کبھی وحشت انگیز آندھی، کبھی بلاغیز جھکڑ۔ کبھی کوہ آتش فشاں کی مرگب ستیاں کی بھاری کبھی زلزلوں کی تباہ کاریوں کا ہجوم۔ بیشش جہات میں اس قسم کی خوفناک بلاؤں کا اٹھ دھام، اور ان کے اندر گھلے ہوئے یا رعد و کار اور بے سرو سامان، مہتابا بنی آدم۔ آپ سوچئے کہ ان حالات میں خارجی کائنات کے متعلق اس کا رد عمل اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ جو بلا سامنے آئے یہ گڑ گڑانا شروع کر دے۔ جہاں کوئی خطرہ دکھائی دے یا تھا ٹیک دے۔ اس طرح فطرت کی ہر قوت اس کا،

**انسان کا پہلا رد عمل**

کوڑک، ہارش، آندھی، آگ، دریا، شیر و سانپ۔ حتیٰ کہ وہائی امراض تک سب دیومی اور دیوتا تصور کر لئے گئے۔ اور ان کی بارگاہ میں تہذیبی ناز اور منت و سماجت اور مدح و ستائش سے انہیں خوش کرنے اور راضی رکھنے کی تدابیر اختیار کی جانے لگیں۔ یہ تھا (اُس ماحول میں) انسان کا اولین رد عمل خارجی کائنات کے متعلق۔ رفتہ رفتہ اس رد عمل نے مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ اور یہ آپ جانتے ہیں کہ جب کوئی عقیدہ یا تصور مذہب کی شکل اختیار کر لے، تو حالات کتنے ہی کیوں نہ بدل جائیں، اس میں تبدیلی نہیں آیا کرتی۔ چنانچہ دنیا کے بیشتر مذاہب، کائنات کے متعلق انسان کے اسی اولین رد عمل کے مظاہر ہیں۔

یہ تو ہم پرستی کی دنیا تھی۔ دوسری طرف جہان علم و بصیرت کی طرف آئیے تو وہاں (بد پرستی سے) انتہا ایک ایسے حادثے سے دوچار ہوئی جس نے اسے تو ہم پرستی کی جہالت سے بھی زیادہ نقصان پہنچایا۔ جہالت تک تادیبی نئی فوسٹے ہماری راہ نمائی کرتے ہیں، علم و حکمت کا آدیں گہوارہ خطہ یونان تصور کیا جاتا اور سقراط کو وہاں کے حکماء کا ابوالا باو قرار دیا جاتا۔ سقراط کا نظریہ یہ تھا کہ مظاہرہ افلاطونی نظریہ کے قابل صرف انسان ہے۔ خارجی کائنات نہیں۔ افلاطون، جو سقراط کا شاگرد، لیکن خود ایک الگ مکتب فکر کا امام ہے، اس سے بھی دو قدم آگے بڑھا۔ اس نے کہا کہ یہ دنیا محسوسات (خارجی کائنات) درحقیقت اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی۔ حقیقی دنیا عالم امثال (World of Ideas) کی ہے۔ آئیے کہیں، آئیے اٹلاں، واقع ہے اور یہ مرئی کائنات اُس دنیا کا عکس ہے۔ اس نظریہ سے جو منطقی نتیجہ مرتب ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہے یعنی جیت عالم محسوسات، درحقیقت اپنا وجود نہیں رکھتا بلکہ محض فریب اور سراب ہے (بلکہ عالم خواب) تو اس کے متعلق جو علم انسانی حواس (Senses) کے ذریعے حاصل ہو گا وہ بھی کچھ حقیقت نہیں رکھے گا۔ حقیقی علم وہی ہو گا جو انسان کو۔ چشم بند و گوش بند و لب بند کے بعد۔ اپنی داخلی دنیا میں جذب ہو جانے سے حاصل ہو۔ یہی علم قابل اعتماد اور یقینی ہو گا۔ محسوسات کا علم (Perceptual Knowledge) قطعاً قابل اعتماد نہیں ہو گا۔

یہ تھا کائنات اور علم محسوسات کے متعلق افلاطون کا وہ نظریہ جس پر یونانی تصوف کی عمارت استوار ہوئی۔ یہ تصوف وہاں سے نکل کر ساری دنیا کو متاثر کر گیا۔ اس نے ہندوستان میں پہنچ کر ویدانت کی شکل اختیار کی۔ چنانچہ اس (ہندو) فلسفہ کی رو سے، پر اکرتی (مادی دنیا) مایا (فریب) ہے۔ کائنات برہما (خدا) کا خواب ہے۔ جس دن اس کی آنکھ کھل گئی یہ خواب معدوم ہو جائے گا۔ یہ عظیم کار گہر کائنات، ایشور کی لیل (ناٹک کا کھیل) ہے جس میں کوئی شے اپنے حقیقی رنگ میں سامنے نہیں آتی۔ بلکہ حقیقت کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہی فلسفہ ہے جو ایرانی مغیوں کے ہاتھوں "شراب معرفت" بن کر چھلکا اور عیسائیت کی خانقاہوں کو کیفیت آلود کر گیا۔ اسی فلسفہ کا نتیجہ تھا کہ کائنات کو باطل قرار دے دیا گیا اور دنیا ایک قابل نفرت شے تصور کر لی گئی جس سے دور بھاگنے میں ہی انسانی نجات کا راز پوشیدہ سمجھا گیا۔

یہ تھا کائنات کے متعلق ذہن انسانی کا ردِ عمل اُس زمانے میں جب قرآن نازل ہوا۔ یعنی دنیا نے مذاہب، کائناتی قوتوں کو معبود بنا کر ان کے سامنے سجدہ ریز تھی اور عالم نگہ و حاکمیت کائنات کو باطل قرار دے کر اس سے نفرت میں "روحانی ترقی" کا راز پارہ تھا۔ (اس میں شبہ نہیں کہ قرآن سے پہلے بعض قرائن ایسے ملتے ہیں جہاں کائنات کی صحیح پوزیشن بھی سامنے آ جاتی ہے۔ یہ وحی پر مبنی تعلیم کا اثر تھا، جو مختلف انبیائے کرام کی وساطت سے وقتاً فوقتاً آتی رہی، لیکن چونکہ نزول قرآن کے وقت وحی کی



بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

آپ نے نور کیا کہ قرآن کریم نے کائنات کے متعلق غلط زاویہ نگاہ کو کفر اور اس کے برعکس صحیح زاویہ نگاہ کو ایمان قرار دے کر اس سوال کو کتنی اہمیت دی ہے، جو شخص کائنات کو باطل قرار دے، وہ قرآن کی رو سے مومن نہیں، کافر ہے۔ خدائے کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا، خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ط۔ اس نے کائنات کو بالحق پیدا کیا، آیاتِ فی ذالک لآیۃٌ لِّمَنْ مِّنْہُمْ عِزَّةٌ (۲۹) اس میں ایمان والوں کے لئے (بہت بڑی) نشانی ہے۔ کائنات کو ایشیہ کی بیلا قرار دینے والوں سے اس نے کہا کہ وَمَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ط۔ ہم نے کائنات کی پستیوں اور بلند لوگوں کو

## یہ کھیل تماشہ نہیں

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یونہی کھیتے ہوئے پیدا نہیں کیا، مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَکِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (۳۰) ہم نے انہیں بالحق پیدا کیا ہے۔ یہ خیال کہ کائنات یونہی بطور کھیل تماشہ پیدا کر دی گئی ہے، ان لوگوں کا دہم ہے جو علم و حقیقت سے بے خبر ہیں۔

کائنات کے متعلق زاویہ نگاہ میں اس قدر تحیر انگیز انقلاب پیدا کرنے کے بعد ضروری تھا کہ علم بالحواس (SENSE PERCEPTIONS) کے متعلق بھی انسانی نقطہ نظر میں تبدیلی پیدا کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے کہا کہ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ (۳۱) جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگا کر، یاد رکھو! اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ الْوَاوْکُلَّ اَوْ لَکَ کَانَ فَذٰلَہُ مَسْئُوْلًا (۳۲) ہمارے سمع اور بصر اور فؤاد، سب یہ پوچھا جائے گا کیا تم نے اس بات کے صحیح ہونے کی شہادت دی تھی جسے صحیح سمجھا گیا تھا، یہ آیت بڑی غور طلب ہے۔ اس میں علم اسے کہا گیا ہے جس کی شہادت سمع و بصر و فؤاد ہیں۔ "سمع و بصر انسانی علم کی تعریف" حواس (SENSE) ہیں جن کا کام یہ ہے کہ وہ خارجی کائنات کے متعلق معلومات فراہم کر کے

## علم کی تعریف

فؤاد (MIND) تک پہنچادیں۔ اور پھر فؤاد (MIND) ان سے استنباط نتائج کر لے۔ علم کی اس تعریف (DEFINITION) میں علم بالحواس (PERCEPTUAL KNOWLEDGE) اور فکری و تصوراتی علم (CONCEPTUAL KNOWLEDGE) دونوں آجاتے ہیں۔ قرآن کے نزدیک "سمع و بصر" قلب کی اہمیت کس قدر ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ جو لوگ ان سے کام نہیں لیتے وہ انسانی سطح پر نہیں، حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں اور جہنمی ہیں۔ سورۃ اعراف میں ہے۔ وَتَلَقُّوْا نَارًا جَہَنَّمَ

## سمع و بصر سے کام نہ لینے والے جہنمی ہیں

کَیْنِیْدًا اَیْمًا اَلِیْمًا قَالِیْسَی (۳۳) شہری اور صحرائی آبادیوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اس قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں جو انہیں سیدھی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ یعنی تَلَقُّوْا نَارَ جَہَنَّمَ لَآ تَبْعُوْنَ بِہَا نُوْرًا وَلَہُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِہَا وَلَہُمْ اُذُنٌ لَّا تَسْمَعُوْنَ بِہَا وَہُمْ اَعْمٰی۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ سینے میں دل رکھتے ہیں لیکن اس سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں رکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ کان رکھتے ہیں لیکن ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنۡعَامِ بَلٰۤیْسَ اَمۡلٌ لَّہُمۡ اِنۡ ہُمۡ لَّا یَفۡکَرُوۡنَ (۳۴) ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْغَافِلُوۡنَ (۳۵) اس لئے کہ یہ لوگ حقائق کائنات سے بے خبر ہیں۔



ان کے برعکس وہ ایک اور گروہ کا ذکر کرتا ہے جن کے متعلق کہا ہے کہ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰتِیَ الْاَنْبِیَآءِ اٰیٰتٍ لِّلَّذِیْنَ اَلْبَابُ (۲۵) یقیناً کائنات کی بندوبست اور مخلوق اور ذاتوں کی گردش میں صاحبان عقل و شعور کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اُن ارباب دانش و بینش کے لئے جن کی کیفیت یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اَللّٰهَ

## کائنات میں غور و فکر کرنے والے

قَبَلًا مَّا دَقُّوْا وَاَقْلٰی جُبُوْا یَحْصُرُ (۲۶) ہوا اُٹھنے، بیٹھنے، لیٹنے ہر وقت قانون خداوندی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں کہ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور تخلیق ارض و سما میں انتہائی غور و فکر کرتے ہیں اور اپنے مسلسل تجربات اور سیم مشاہدات کے بعد عل وجہ البصیرت اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دَبُّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (۲۷) اے ہمارے نشوونما دینے والے! تو نے اس عظیم سلسلہ کائنات کو باطل پیدا نہیں کیا۔ سُبْحٰنَكَ یٰ اَکْبَرُ سے بہت بعید تھا کہ تیرا تخلیق پر گرام بلا مقصد ہوتا۔ تیرے متعلق ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ محض ہماری کوتاہ علمی اور بصیرت (تحقیق) کی کمی ہے جو ہم کائنات کی بہت سی چیزوں کے نفع بخش پہلوؤں سے بے خبر رہتے ہیں اور اس لئے ان کی زہر پاشیوں سے جھپٹتے اور تڑپتے رہتے ہیں۔ ہماری آزدی ہے کہ تو ہمیں ایسی توفیق عطا فرما کہ ہم مدبرِ علم کی بنا پر اشیائے کائنات کے تخریبی پہلو سے محفوظ رہیں، قَبَلًا عَذَابُ النَّاسِ (۲۸) اس لئے کہ جو تو میں اشیائے فطرت کے متعلق تحقیقات نہیں کرتیں اور اس لئے ان کے نفع بخش پہلوؤں سے بے خبر رہتی ہیں وہ دنیا میں دولت اور رسوائی کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ دَبُّنَا اِنَّكَ مَنْ قَدْ خَلِیْتَ النَّارَ فَقَدْ اُخْرِیْتَهُ (۲۹) اور ایسی قوموں کا دنیا میں کوئی یار و مددگار نہیں ہوتا۔ (قَبَلًا لِّلظَّالِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (۳۰)

## یہی مومن و متقی ہیں

اس مقام پر ان لوگوں کو جو اشیائے کائنات کے متعلق تحقیق و تدقیق کے بعد رعب و فطرت کی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔ قرآن نے "صاحبان عقل و بصیرت" کہا ہے۔ دوسرے مقام پر انہیں مومنین سے تعبیر کیا ہے جہاں کہا ہے کہ اِنَّ فِيْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۳۱) یقیناً کائنات کی پستیوں اور بندوبست میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا اور اس کے قوانین کے متعلق حتمی یقین رکھتے ہیں۔ وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَاَمَّا یَبْکُ وَنَّ دَآبَّةٍ اَلِیْتَ لِقَوْمٍ یُّرِیْوْنَ اٰیٰتِیْنَ (۳۲) اور تمہاری پیدائش میں اور دیگر جانداروں کی افزائش نسل میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو (کائنات کے باطنی ہونے پر) یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ صاحبان عقل و بصیرت ہیں۔ وَ اٰخِیْلَآءِ اَللّٰیْلِ وَ اَلنَّهَارِ وَ مَا اَنْزَلَ اَللّٰهُ مِنْ السَّمَآءِ مِنْ رِزْقٍ فَاَحْبَابُ اَلَّذِیْنَ مِنْ تَعْدِیْہَا وَ تَقْرِیْفِ الرِّیْعِ اِنَّتَ لَقَوْمٌ یُّعْقِلُوْنَ (۳۳) اور دن رات کی گردش میں۔ اور بارش میں جسے خدا بادلوں سے برساتا ہے اور اس سے زمین مودہ کو حیات تازہ عطا کرتا ہے اور حواو کے رنج کی تبدیلی میں، ارباب عقل و فکر کے لئے نشانیاں ہیں۔

کائنات پر غور و فکر ان قدر تاکید کے بعد کہا گیا کہ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ تَشٰوْہَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ (۳۴) یہ اللہ کی وہ آیتیں ہیں جنہیں خدا حق کے ساتھ تیرے سامنے پیش کرتا ہے۔ یہ لوگ جو اس کے بعد بھی حق پر ایمان نہیں لاتے ان سے پرچھو کہ فَبِآیِّ حَدِیْثٍ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَ اٰیٰتِہِ یُؤْمِنُوْنَ (۳۵) یہ لوگ اللہ اور اس

کی اس قسم کی آیات کے بعد اور کس چیز پر ایمان لائیں گے؟

## انہی سے ایمان حاصل ہوتا ہے

آپ نے غور کیا کہ قرآن نے اس مقام پر کتنی عظیم حقیقت بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا پر ایمان لانے کے دو گوشے ہیں۔ ایک اشیائے فطرت پر غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنا کہ کائنات کے نظام کو ایک حکیم و خبیر ہستی اپنے حکم، اہل اور تعمیری قوانین کی روش سے چلا رہی ہے۔ دوسرے قرآنی تعلیم میں تدبیر و تفکر جس نے اس زمانے میں انسان کے لئے تسخیر کائنات کا اعلان کیا، جب ساری دنیا یا تو کائناتی قوتوں کو معبود بنا لئے ہوئے تھی اور یا اسے فطرت نظر اور قابل نفرت سمجھ کر اس سے دور بھاگتی تھی۔ ایسے ماحول میں اس قسم کی انقلاب آفریں آواز بلند کرنا کسی انسان ذہن کا کام نہیں تھا۔ اس آواز کا سرچشمہ یقیناً وہی خدائے علیم و بصیر ہو سکتا تھا جو انسان اور کائنات دونوں کے صحیح مقامات سے باخبر ہو۔ لہذا اگر کوئی شخص مطالعہ فطرت اور قرآن میں غور و تدبر کے بعد بھی خدا پر ایمان نہیں لاتا تو پھر کوئی چیز باقی نہیں رہتی جس سے وہ خدا پر ایمان لاسکے۔

ایمان وہ تصورات و حیات ہے جو انسانی زندگی کا نصب العین متعین کرتا ہے۔ اس کے بعد تقویٰ آتا ہے۔ تقویٰ کے متعلق یوں سمجھئے کہ یہ وہ مسلک اور منہاج ہے جس کے مطابق مومن اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ مومنین کے لئے خارجی کائنات کے شواہد و مظاہر پر غور و فکر کس قدر ضروری ہے اس کے متعلق ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن کہتا ہے کہ یہ غور و فکر متقیوں کے لئے بھی ویسا ہی ضروری ہے۔ سورہ یونس میں ہے: **إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ** (۲۰) یقیناً اختلاف لیل و نہار اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں میں پیدا کیا ہے، ان میں تقویٰ قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔

ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ قرآن نے "سَمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" پر غور و فکر کرنے کی تاکید کی ہے۔ سموات (اجرام فلکی) پر غور و فکر کا ایک شعبہ ترہ ہے جسے علم الافلاک (ASTRONOMY) کہتے ہیں۔ (اس کا موضوع سرمدست بلے جان کتوں کے متعلق تحقیق و تدقیق ہے) لیکن قرآن اس سے بھی آگے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ زمین میں ہی نہیں، بلکہ اجرام فلکی میں بھی ذی حیات مخلوق ہے اور اس کے متعلق غور و فکر کرنا بھی ضروری ہے۔ سورہ شوریٰ میں ہے: **وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَوْمَ ۙ**

## آسمان میں ذی حیات مخلوق

ذآبِتِ ط (۳۳) اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ارض و سموات کو پیدا کیا اور ان دونوں میں ذی حیات مخلوق کو بھی پھیلا دیا۔ غور فرمائیے کہ آسمانی کڑوں میں زندہ مخلوق کی نشاندہی بھی سب سے پہلے قرآن ہی نے کی کرائی ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے جو کچھ کہا ہے اس سے خود عقل و حیرت اور علم ششدر و حیران رہ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ **وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ** (۳۴) وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق ان کڑوں اور ان کی آبادیوں میں میل ملاپ پیدا کر دے!۔۔۔ کڑوں (زمین اور چاند) میں ربط و اختلاط پیدا ہو چکا ہے۔ اس لئے دیکھئے کیا کچھ ظہور میں آتا ہے۔ سوچئے

کہ کیا آج سے چودہ سو سال پہلے ایسی بات کس انسان کے حیطہ تصور میں بھی آ سکتی تھی (اضافہ سنہ ۱۹۸۰ء)  
قرآن کی روش سے علم کی تعریف (DEFINITION) کیا ہے یہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ یعنی علم وہ ہے

جس کی شہادت انسان کے حواس میں اور جس کی تائید اس کا قلب (MIND) کرے۔ اب یہ دیکھئے  
کہ قرآن کے نزدیک عالم کون ہے؟ قرآن کریم میں علماء کا لفظ وہ جگہ آیا ہے۔ ایک جگہ  
سورہ شعراء میں (۲۶/۲۷) اَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمُ الْآيَةُ اَنْ يَّعْلَمُوْا

## عالم کی تعریف

عَلِمُوْا اِسْمُ اَيْمُن ۵۷ یہاں علمائے بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ اور دوسری جگہ سورہ فاطر  
میں، جہاں خدا کے بندوں میں سے علماء کا ذکر ہے۔ اس تذکرہ کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔ اَلَّذِيْ تَرَات  
اَللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَخَسَرَ حَتّٰى اَيَّ شَجَرَاتٍ مُّخْتَلِفٍ اَلْوَانُهَا ۙ  
ۚ كَيْتُوْنَ ۚ اِسْ اِسْمُ اَيْمُن ۵۷ اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ کا قانون کس طرح بادلوں سے مینہ برساتا ہے اور اس سے انواع و  
اقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ وَمِنْ اَلْجِبَالِ جُدَدٌ بَيِّنٌ ۚ وَحُسْبُوْا مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا  
وَعَسَآ اَيَّيْبٌ ۚ سُودٌ ۚ اِسْمُ اَيْمُن ۵۷ اور پہاڑوں میں کس کس انداز کے سرخ و سفید طبقات ہیں جن کے  
رنگ اور اقسام مختلف ہیں۔ اور ان میں بعض گہرے سیاہ رنگ کے ہیں۔ وَمِنْ اَلنَّارِ  
اَلَّذِيْ تَرَات ۚ اَلْوَانُهَا مُّخْتَلِفٌ ۚ كَذٰلِكَ ۚ اِسْمُ اَيْمُن ۵۷ اور اس طرح انسانوں اور دیگر  
جانداروں اور موشیوں کے بھی مختلف اقسام ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ ان آیات میں کون کون سے امور کا ذکر ہوا ہے؟ کائنات کے مختلف گوشوں  
کا بساط فطرت کے متنوع شعبوں کا۔ سائنس کے مختلف علوم کا۔ جن میں طبیعیات (PHYSICS)  
نباتات (BOTANY) حیوانات (ZOOLOGY) طبقات الارض (GEOLOGY)  
فضائیات (METEOROLOGY) اور عالم انسانی کے تمام شعبے آجاتے ہیں۔ ان  
علوم و فنون کے تذکرہ کے بعد فرمایا۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ حَقِیْقَت  
یہ ہے کہ اس کے بندوں میں سے علماء ہی وہ ہیں جن کے دل پر اس کی عظمت و ہیبت چھا  
جاتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ۙ عَلِیْمٌ ۚ اِسْمُ اَيْمُن ۵۷ کیونکہ وہ عل و جہ البصیرت اس حقیقت کا مشاہدہ  
کر رہے ہیں کہ خدا کتنی بڑی قوتوں کا مالک ہے اور کس طرح اس عظیم کارگاہ کائنات کو ہر قسم کی تخریب  
سے محفوظ رکھ کر، اس کی منزل مقصود کی طرف لے جا رہا ہے۔

سورہ الزم میں ایک جگہ علماء کے بجائے عالموں آیا ہے۔ لیکن موضوع وہی ہے۔ فرمایا۔ وَمِنْ  
اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اَخْتِلَافُ اَللّٰسٰتِکُمْ ۚ وَ اَلْوَانِکُمْ ط اور تخلیق  
ارض و سماء اور اختلاف السموات و الارض (زبانوں اور نسلوں کے رنگوں کے اختلاف) کا شمار بھی  
آیات خداوندی میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہے۔ ذٰلِکَ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۚ (۲۶/۲۷)  
میں بھی عالموں کے لئے نشانیاں ہیں۔

دیکھئے! یہاں بھی عالموں سے مراد سائنسدان ہیں۔ سورہ عنکبوت میں پہلے توحید باری تعالیٰ کو

مثالوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ ان مثالوں کو صرف عالم سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس کے بعد ہے۔ **خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ الْأَرْضَ مِنَ الْخَلْقِ طَائِفَاتٍ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ** (۲۹) خدا نے ارض و سما کی تخلیق یا خلق کی ہے۔ اس حقیقت میں مؤمنین کے لئے آیات (نشانیوں) ہیں۔

آپ نے غور کیا کہ قرآن نے علماء یا عالم کا لفظ کس لوگوں کے لئے استعمال کیا ہے؟ ان کے لئے جنہیں دورِ حاضر کی اصطلاح میں سائنٹسٹ یا کائنات مفکر کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے یہ بھی کہا ہے کہ جس طرح خدا کی عظمت و معیت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خارجی کائنات میں مظاہر پر غور کریں، خود قرآن کے حقیقت ثابت ہونے کا یقین بھی وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خارجی کائنات اور دنیا سے انسانیت میں غور و فکر کریں۔

**انفس و آفاق میں آیات** | اس کا ارشاد ہے۔ **سَتَرْنَاهُمُ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعَنَّهُ أَتَمَّهُ اللَّهُ الْخَلْقَ طَائِفَاتٍ** (۳۱) ہم انہیں اپنی نشانیاں عالم آفاق اور عالم انفس میں دکھائیں گے۔ تا آنکہ یہ بات اُبھر کر ان کے سامنے آجائے کہ قرآن فی الواقعہ ایک حقیقت ثابت ہے۔ یعنی جوں جوں کا کل زمانہ کے ہیچ و خم میں لپٹے ہوئے حقائق، مشاطگی، علم و تحقیق سے کھلتے جاؤں گے، قرآن کے دعاوی کی صداقت کے ثبوت ایک ایک کر کے سامنے آتے جائیں گے۔ یہ اس لئے کہ **أَوَلَمْ يَكُنْ بِذِكْرِكَ آيَاتُهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا** (۳۲) قرآن، اس خدا کی کتاب ہے جس کی نگاہوں سے کوئی راز مستور نہیں۔ اس کے سامنے کائنات کی ہر شے بے نقاب رکھی ہے اور یہ چیز اس امر کی کافی دلیل ہے کہ حقائق کائنات کے متعلق جو کچھ خدا کہے گا وہ یقینی طور پر درست ہوگا۔ **أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَائِفَاتٍ** (۳۵) قرآن کو اس خدا نے نازل کیا ہے جو کائنات کی پستیوں اور بلند یوں کے اسرار و رموز سے واقف ہے۔ لہذا جو لوگ انفس و آفاق کی ان نشانیاں پر غور و فکر کریں گے انہیں ان میں تجلیات خداوندی بے نقاب نظر آجائیں گی۔ جو قومیں ان آیات سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتی ہیں، یوں سمجھو کہ انہیں ”خدا“ کو اس طرح اپنے سامنے بے نقاب دیکھ لینے پر یقین نہیں ہوتا۔ **أَلَا إِنَّهُ يَكْنُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِمْ وَتَبَيُّهُ طَائِفَاتٍ** (۳۶) حالانکہ

انہیں اس کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ جس شے کی بھی ریسرچ شروع کر دیں۔ میں خدا کا قانونی ربوبیت جھل جھل کر نظر آجائے گا۔ اس لئے کہ **أَلَا إِنَّهُ يَكْنُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِمْ وَتَبَيُّهُ طَائِفَاتٍ** (۳۶) خدا کا قانونی ربوبیت ہر شے کو محیط ہے۔ وہ کسی ایک شے کے ساتھ مختص نہیں۔

لفظ تا بقدم ہر کجا کہ می نگسرم! کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

(۰۰)

**صرف تسخیر فطرت ایمان نہیں** | ہم نے شروع میں دیکھا ہے کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ کائنات میں

مومنین اور متقین کے لئے ہر جگہ آیات اللہ ہیں۔ اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان اور تقویٰ کے معنی اعمالی کائنات پر غور و فکر اور تحقیق و تدقیق ہے۔ اور یہ تسخیر فطرت



کرتی ہیں وہ مومن اور متقی ہوتی ہیں۔ مومن اور متقی وہ ہیں جو تسخیرِ فطرت کے بعد فطرت کی قوتوں کو قوانینِ خداوندی کے مطابق (نوعِ انسانی کی رُبوبیتِ عامہ) کے لئے صرف کرتے ہیں اور اس طرح خود اپنی ذات کی نشوونما کا سامان بھی بہم پہنچاتے ہیں۔ مومن ہونے کے لئے یہ دونوں شرطیں ضروری ہیں یعنی تسخیرِ فطرت اور اتباعِ قوانینِ خداوندی۔

جو قرآن کے اندر محفوظ ہیں۔ اگر کسی قوم میں ان دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط کی بھی کمی ہے تو وہ مومن و متقی نہیں کہلا سکتی۔ وَمَنْ لَّمْ يَخْلُقْ بِمَا أُنْزِلَ

اللَّهُ مِمَّا أُولَئِكَ هُمْ أَنْكَافِرُونَ (۵/۱۰۰) جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ جو قومیں تسخیرِ فطرت تو کر لیتی ہیں لیکن امورِ زندگی کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق نہیں کرتیں وہ بھی ان قوموں کی طرح تباہ و برباد ہو جاتی ہیں جو سرے سے تسخیرِ فطرت نہیں کرتیں۔ یہی وہ قومیں ہیں جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ قَدْ أَفْلَحْنَا عَنْهُمْ سَمْعَهُمْ وَلَا أَبْصَارَهُمْ وَلَا آفَاتِهِمْ تَحْتَهُ مَيِّتٌ شَيْءٌ إِذَا كَانُوا يَمْجِدُونَ يَا أَيُّهَا اللَّهُ..... (۲۴/۲۶) ان کے سمع و بصر و فوؤد ان کے کسی کام نہ آئے کیونکہ وہ قوانینِ خداوندی سے انکار کرتے تھے۔ وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ لہذا قرآن کریم کی رو سے صورتِ حالات یوں ہوئی کہ

(۱) جو قومیں سمع و بصر و فوؤد سے کام لے کر تسخیرِ فطرت کرتی ہیں اور پھر فطرت حاصلِ محبت کی قوتوں کی قوانینِ خداوندی (قرآن) کے مطابق صرف کرتی ہیں وہ مومن و متقی ہیں۔ ان کی اس دنیا کی زندگی بھی درخشندہ و تابناک ہوتی ہے اور آخرت کی زندگی بھی خوشگوار و شاداب۔

(۲) جو قومیں تسخیرِ فطرت تو کرتی ہیں لیکن قرآن کی مستقل اقدار کا اتباع نہیں کرتیں وہ صرف مقامِ آدمیت تک پہنچتی ہیں۔ مومن و متقی کے مقام تک نہیں پہنچتیں۔ وہ اس دنیا کی زندگی میں قوت و شوکت حاصل کر لیتی ہیں لیکن مستقبل (آخرت) ان کا تاریک ہوتا ہے۔

(۳) اور جو قومیں سرے سے تسخیرِ فطرت کرتی ہی نہیں، وہ مومن و متقی ہونا تو کجا، مقامِ آدمیت تک بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ أُولَئِكَ مَا وَآهَهُمُ النَّارُ (۲۴/۲۷) ان کے لئے اس دنیا میں دولت و فواری ہے اور آخرت میں بھی تباہی و بربادی۔ اس لئے کہ وَمَنْ كَانَتْ فِي هَلْدِهِ أَهْمٌ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَهْمٌ (۲۴/۲۸) جو یہاں کا اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا ہی ہوگا۔

وہ کل کے علم و عیش پر کچھ حق نہیں رکھتا جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے

وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامہ مند

جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

ہیں بے حد افسوس ہے کہ یہ پرچہ لمعات کے بغیر شائع ہو رہا ہے۔  
طلوعِ اسلام کی تاریخ میں شاید یہ پہلا حادثہ ہے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ  
اسے برداشت کیجئے! شکریہ۔  
(ناظمِ ادارہ)

اعتذار